محمد رفیق الاسلام
اُستاد شعبۂ اُردو
گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، بہاول پور

''رانی کیتکی کی کہانی'' کا مابعد الطبیعیاتی مطالعہ

ABSTRACT

Metaphysical Study of the tale "Rani Ketki Ki Kahani"
By Muhammad Rafiq-ul-Islam, Lecturer, Department of Urdu, Govt. Postgraduate College, Bahawalpur.

Metaphysics is the universal fact which is deep-rooted in human civilization. As the literature reflects the society, literature and metaphysics co-incide in certain situations. In Urdu literature, such tales, which have are being narrated for centuries, are replete with metaphysical elements. This article analyses the metaphysical elements in Urdu tale "Rani Ketki", written by Insha Allah Khan Insha.

''رانی کیتکی کی کہانی'' انشاءاللہ خان انشاء کی طبع زاد داستان ہے جو اُنہوں نے ۱۸۰۳ء میں لکھی (۱)۔ انشاء کی ولادت اور تعلیم و تربیت مرشد آباد میں ہوئی۔ شاہ عالم کے زمانے میں دلی گئے جہاں اُن کی بڑی قدر ہوئی اور بادشاہ کے متوسلین میں داخل ہوئے۔ کچھ عرصہ شہزادہ سلیمان شکوہ کی ملازمت اختیار کی۔ پھر نواب سعادت علی خان کے منہ چڑھے مصاحب ہو گئے۔ دلی چھوڑ کر لکھنو آنے والے شعرا میں طباعی، ذہانت، شوخیٔ طبع، حاضر جوابی، بدیہہ گوئی اور ظرافت کے اعتبار سے انشاء کی بہت شہرت ہوئی۔ مصحفی کے ساتھ ان کی معرکہ آرائیاں مشہور ہیں۔ ۱۸۱۰ء میں نواب سعادت علی خان اُن سے ناراض ہو گئے اور اُن کے گھر سے نکلنے پر پابندی لگا دی گئی۔ ۱۸۱۸ء میں اِسی پریشان حالی کے عالم میں اُنہوں نے وفات پائی۔

اُردو، فارسی اور عربی کے علاوہ انشاء دیگر کئی زبانیں ترکی، پشتو، پنجابی، مارواڑی اور کشمیری بھی جانتے تھے۔ اُردو غزلوں اور کلیات کے علاوہ ریختی میں بھی اِن کا دیوان موجود ہے۔ ایک مختصر دیوان صنعتِ غیر منقوط میں بھی ہے۔ چند مثنویاں بھی عارفانہ رنگ میں لکھیں۔ جب کہ ایک مثنوی بزبانِ مارواڑی بھی موجود ہے۔ مستزاد، ہجویات، شکارنامہ اور رباعیات اِن کے علاوہ ہیں۔ اِنشاء کی سب سے اہم تصنیف ''دریائے لطافت'' ہے جو اُنہوں نے قتیل کے ساتھ مل کر لکھی۔ اِنشاء پہلے شخص ہیں جنہوں نے زبان اُردو کی اہمیت کے پیشِ نظر اِس کے قواعد مرتب کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ اُردو زبان میں قواعد، صرف و نحو، عروض اور لسانیات کی تاریخ میں یہ ایک اہم دستاویز ہے۔ اِنشاء نے صنعت غیر منقوط میں ایک کہانی ''سلکِ گوہر'' بھی لکھی (۲)۔

''رانی کیتکی کی کہانی'' طویل عرصہ تک گوشۂ گم نامی میں رہی۔ اِس کی دریافت کا سہرا مولوی عبدالحق کے سر ہے جنھوں نے اِس کی نوک پلک سنوار کر پہلے پہل اِسے رسالہ ''اُردو'' جلد ششم، ماہ اپریل ۱۹۲۶ء میں شامل کیا پھر یہ انجمن ترقیٔ اُردو سے ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئی۔ اِس کی دریافت سے متعلق مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

> ''اِس داستان کا ذکر مدت سے سنتے آئے تھے لیکن ملتی کہیں نہ تھی۔ آخر ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کی پرانی جلدوں میں اِس کا پتا لگا۔ مسٹر کانٹ پرنسپل لامارٹن کالج لکھنؤ کو اِس کا ایک نسخہ دست یاب ہوا۔ جسے اُنھوں نے سوسائٹی کے رسالے میں طبع کرا دیا۔ سنہ ۱۸۵۲ء میں ایک حصہ طبع ہوا اور دوسرا حصہ سنہ ۱۸۵۵ء میں۔(۳)''

''رانی کیتکی کی کہانی'' طبع زاد داستان ہے جو انشاء کی ذہنی اختراع ہے۔ اُن کے مزاج میں سیمابیت تھی وہ کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہتے تھے اور وہ بھی ایسا کچھ جو عام روش سے ہٹ کر ہو۔ اُن کی تمام تخلیقات اِس اَمر پر دلالت کرتی ہیں کہ اُنہیں منفرد رہنے کی خواہش تھی۔ شاید یہی سبب تھا کہ اُنہوں نے غیر منقوط شاعری کی، عام طرز سے ہٹ کر غزل لکھی اور غیر منقوط داستان ''سلکِ گوہر'' لکھی۔ یہاں بھی اُنہوں نے ٹھان لیا تھا کہ ایسی داستان لکھنی چاہیے جو خالص مقامی زبان میں ہو۔ سو رانی کیتکی اور کنور اودھے بان کی یہ داستانِ عشق منظرِ عام پر آئی۔ ''ڈول ڈال ایک انوکھی بات کا'' کے عنوان کے تحت وہ اِس کا سببِ تالیف یوں بیان کرتے ہیں:

> ''ایک دِن بیٹھے بیٹھے یہ بات اپنے دھیان میں چڑھی کوئی کہانی ایسی کہیے جس میں ہندوی چھٹ اور کسی بولی کی پُٹ نہ ملے، تب جا کے میرا جی پھول کی کلی کے روپ سے کھلے۔ باہر کی بولی اور گنواری کچھ اوس کے بیچ میں نہ ہو۔(۴)''

اگرچہ انشاء کی تخلیق کردہ یہ کہانی انتہائی مختصر ہے مگر اِس کے لوازمات کے سبب اِسے داستان کہا جا سکتا ہے۔ اُردو اَدب میں اِس کی اہمیت اِس کے قصے کی بجائے اِس کا اُچھوتا اُسلوب ہے جو ڈاکٹر گیان چند کے نزدیک اجتہاد سے کم نہیں(۵)۔ جب کہ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کے نزدیک: ''انشاء کی لکھی ہوئی یہ کہانی نہ صرف اُن کی جدتِ طبع کا نتیجہ ہے بلکہ ایک حیثیت سے ٹھیٹ ہندوستانی معیار قائم کرنے کی نادر کوشش ہے۔(۶)''

''رانی کیتکی کی کہانی'' کو مابعد الطبیعیاتی اعتبار سے دو حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا حصہ داستان کے ابتدائی ڈیڑھ صفحے پر مشتمل ہے جس میں انشاء اللہ خان انشاء نے اپنے عقائد کا ذکر کیا ہے۔ یہ حصہ پوری داستان سے الگ منطقہ ہے جس میں زبان اگرچہ دوسرے منطقے سے مشابہ ہے لیکن فکر اِسلامی ہے۔ طرزِ اظہار سے معلوم ہوتا ہے کہ داستان نگار روایت نہیں نبھا رہا بلکہ اپنی مابعد الطبیعیاتی فکر کا اظہار کر رہا ہے۔ انتظار حسین کے بقول:

''اِس روایت میں کہانی لکھنا اور یہ اہتمام کرنا کہ عجمی اور عربی روایت کا اِس پر سایہ نہیں پڑنے دیا جائے گا اور پھر حمد، نعت اور منقبت کا اہتمام کرنا؛ اِس کے معنی اِس کے سوا کیا ہوتے ہیں کہ لکھنے والا اپنے ذاتی عقیدے کو جتانا چاہتا ہے تاکہ اِس کے اَدبی تجربے اور اُس کے ذاتی عقیدے کو گڈمڈ نہ کیا جائے۔(۷)''

اپنے عقیدے کے اظہار میں داستان نگار اِسلامی نظریۂ وجودیات پیش کرتا ہے(۸) کہ اِس جہان کا خالق و مالک ایک ہی خدا ہے۔ جس نے کلمۂ کُن سے کائنات تخلیق کی اور یہ سارا عمل لمحہ بھر میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ تمام عبادات کا مرکز و محور اُس کی ذاتِ کبریا ہے۔ خدائی اُسی کو زیبا ہے۔ انسان اگر اُسی ذات کی عبادت و بندگی کرے تو جہان بھر کی آفات اِس سے دور ہوں اور یہ قلبی طور پر اطمینان و سکون پا جائے۔ انسان کی جرأت و ہمت نہیں کہ وہ اپنے خالق کی قدرت پر حرف گیری کر سکے کیوں کہ پیالے کی کیا مجال وہ اپنے بنانے والے کو کچھ کہہ سکے؟ اُس کی مرضی جیسا چاہے بنا دے۔ جس کا جی چاہے بازارِ دنیا میں بکتا پھرے۔ سر سے پاؤں تک انسانی جسم میں جتنے رونگٹے ہیں وہ سب مل کر تمام ریت کے ذروں اور پھولوں پتیوں کی تعداد کے برابر سالوں میں اُس کی حمد و یکتائی اور صفت و ثنا بیان کرتے رہیں پھر بھی نہ کر سکیں۔

حمد و نعت اور منقبت کے بعد داستان نگار اپنے فکری منطقے سے نکل کر تخلیقی منطقے میں داخل ہوتا ہے۔ اِس کی ساری فضا ہندی ہے۔ یہاں محبت کی باتیں، اشارے کنائے، چھیڑ چھاڑ، دوستی دشمنی، وصل و فراق، تعویز گنڈے، سحر و طلسم، شادی کا ساماں، لڑائی کی تفصیل، شہر بازار کی آرائش و سجاوٹ اور غصہ و نفرت کا اظہار سب ہندی معاشرت میں رنگے ہوئے ہیں۔ انتظار حسین نے بجا لکھا ہے:

''رانی کیتکی کی کہانی براہ راست کسی قدیم سنسکرت کہانی کا ترجمہ نہیں ہے مگر جن اجزا و عناصر سے اس کہانی کا خمیر اٹھا ہے، وہ فکشن کی اسی قدیم ہندی روایت سے ماخوذ ہیں اور یہ کہ یہ اجزا و عناصر ہندی اجتماعی تخیل میں رچے بسے ہیں۔ سو اس کہانی کی تہ میں ہندو معتقدات اور توہمات کارفرما نظر آئیں گے۔(۹)''

انشاء ایک ایسے تخیّل کا نمائندہ ہے جو عجمی تہذیب کے منطقے سے نکل کر ہندی تہذیب کے منطقے کی طرف مائل پرواز ہے۔ ''رانی کیتکی کی کہانی'' وہ منزل ہے جب یہ تخیل ہجرت کر کے دوسرے تہذیبی منطقے میں سکونت پذیر ہو چکا ہے۔ یہاں کے تمام عقائد و میلانات داستان کا حصہ بن گئے ہیں۔ داستان نگار نے ہندی الفاظ کا استعمال بہت زیادہ کیا ہے۔ اِسے پڑھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ تجربہ ہندی تہذیب کی کوکھ سے پیدا ہوا ہے۔ سید وقار عظیم رقم طراز ہیں:

''ہندو معاشرت کا کتنا چوکھا رنگ ہے جسے تخیل اور مشاہدے سے گھلا ملا کر ایک

انوکھا روپ دیا ہے۔ معاشرت کی سچی تصویر بھی، تخیل کی گلکاری بھی اور تصور کی دور بینی بھی اور پھر اِن سب سے بڑھ کر، سونے پر سہاگا، اندازِ بیاں کی قدرت۔ رانی کیتکی کی کہانی اُردو کی واحد داستان ہے جس نے ہندو معاشرت اور تہذیب کے مزاج کو زندگی کا روپ دے کر زندہ کیا ہے۔(۱۰)''

ہندی وجودیاتی عناصر راجا اِندر اور کام دیو وغیرہ ہندی مذہبی عقائد کی مکمل عکاسی کرتے ہوئے یہاں موجود ہیں۔ راجا اِندر جو ہندی عقائد کے مطابق رب الارباب ہے اُس کا کردار اِس داستان میں بھی اُسی سج دھج کا حامل ہے۔ بھرپور طاقت و قدرت رکھنے والا گرو جب خود کنور اودے بان اور اُس کے والدین کی تلاش میں ناکام رہتا ہے تو وہ آخری مدد کے لیے اِندر ہی کو خط لکھتا ہے اور راجا اِندر آ کر نہ صرف اُس کی حاجت براری کرتا ہے بلکہ دوسرے دونوں راجاؤں کی من کی مرادیں بھی چند لمحوں میں پوری کر دیتا ہے۔

''ایسا جماؤ جو لاکھوں برس میں ہوتا ہے، جو جو راجا اِندر نے اپنے مونھ سے نکالا تھا، آنکھ کے جھپک کے ساتھ وہی ہونے لگا اور جو کچھ اون دونوں مہاراجوں نے اودھر اودھر کہہ دیا تھا سب کچھ اوسی روپ ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔(۱۱)''

جوگی مہندر گرو سادھو ہے جو اپنا تن من دھن تیاگ کر سیلانی بن چکا ہے۔ وہ انسانی آبادیوں سے دور رہتا ہے اور ہندی عقائد کے مطابق ترقی کرتے ہوئے دیوتاؤں کا اتنا قرب حاصل کر چکا ہے کہ اُس کی فرمائش پر دیوتا زمین پر تشریف لے آتے ہیں اور اِس کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور سنگیت سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ وہ طاقت کا مجسمہ ہے۔ فتح و شکست اُس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ بیک وقت موت دینے اور زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اُس کے اختیار میں ہے کہ وہ جسے جس شکل میں چاہے تبدیل کر دے۔ یہاں اِس ہندی عقیدے کا اظہار بھی ملتا ہے کہ سادھو کاوش و کوشش سے جب خدائی قرب حاصل کر لیتے ہیں تو اُنہیں خدائی اختیارات و تصرفات بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔

''جوگی جی نے سبھوں سے کہہ دیا، جو لوگ اُن کے بیاہ میں جاگے ہیں، اون کے گھروں میں چالیس دن رات سونے کی ٹڈیوں کے روپ میں ہُن برسیں اور جب تک جئیں گے کسی بات کو نہ ترسیں۔ نو لاکھ ننانوے گائیں سونے روپے کی سنگوٹیوں کی، جڑاؤ گہنا پہنے ہوئے، گھنگرو جھنجھناتیاں، بامھنوں کو دان ہوئیں اور سات برس کا پیسا سارے راج کو چھوڑ دیا گیا۔ بائیس سے (سو) ہاتھی اور چھتیس سے (سو) اونٹ روپوں کے توڑے لدے ہوئے لٹا دیے۔ کوئی اِس بھیڑ بھاڑ میں دونوں

راج کار ہنے والا ایسا نہ رہا جس کو گھوڑا جوڑا، روپوں کا توڑا، سونے کے جڑاؤ کڑوں
کی جوڑی نہ ملی ہو۔(۱۲)''

''رانی کیتکی کی کہانی'' کا بنیادی موضوع عشق ہے۔ داستان نگار نے رمز و کنائے کے پردے میں عشق کی مشکلات کو بیان کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ یہ سفر نہایت مشکل ہے۔ محبوب کو پانا آسان نہیں اِس کے لیے اپنی ہستی تک کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ یہاں صرف محب انسان سے ہرن بن کر اپنی ہستی کی قربانی نہیں دیتا بلکہ محبوب رانی کیتکی بھی بھبھوت لگا کر اپنے وجود کو معدوم کرتی ہے تب جا کر کنور اودے بھان کا سراغ پاتی ہے۔ اِس حوالے سے انتظار حسین کا تبصرہ بجا ہے:

''عشق میں آدمی اپنے آپ کو کھوتا ہے اور عشق ہی کے وسیلے سے اپنے آپ کو پاتا
ہے۔ عشق پرانی کہانیوں میں اپنی ذات کو کھونے اور پانے کا عمل ہے۔ یہ وہ سفر
ہے جس میں ذات کی شناخت پہلے گم ہوتی ہے اور پھر ایک اذیت بھرے عمل سے
گزرنے کے بعد زیادہ کھرے پن سے واپس آتی ہے۔(۱۳)''

''رانی کیتکی کی کہانی'' کا تصورِ عشق روایتی داستانوں سے ہٹ کر ہے۔ یہاں عشق جنسی جذبہ نہیں بلکہ تکمیل ذاتِ انسانی کے لیے ایک لازمہ بن کر سامنے آتا ہے۔ یہاں عشق مجسم جذبات کا نام نہیں بلکہ عقل و خرد کو بھی مدنظر رکھا جاتا ہے۔ عشق صرف ذاتی مقصد کے حصول کا نام نہیں بلکہ انسانیت کا احساس اور درد پیدا کرنے والا جذبہ ہے۔ تبھی تو رانی کیتکی پکار اُٹھتی ہے کہ یہ کیسا عشق ہے جس میں انسانوں کا لہو بہنے لگے۔ اُسے والدین کا نام پر بٹا لگانا اور خاندانی شرافت و نجابت کا خون کرنا بھی گوارا نہیں۔ تبھی تو جب کنور اودے بھان اُسے بھاگ چلنے کے لیے خط لکھتا ہے تو وہ جواباً خط میں لکھتی ہے:

''اے میرے جی کے گاہک! جو تو مجھے بوٹی بوٹی کر چیل کووں کو دے ڈالے تو بھی
میری آنکھوں چین، کلیجے سکھ ہو، پر یہ بات بھاگ چلنے کی اچھی نہیں، اِس میں باپ
دادے کو چٹ لگ جاتی ہے۔(۱۴)''

''رانی کیتکی کی کہانی'' کا تصورِ کائنات اُردو کی دیگر داستانوں سے مشابہ ہے۔ یہاں خیر و شر کی آویزش میں خیر عشق کے روپ میں وارد ہوا ہے جو انجامِ کار فتح یاب ہوتا ہے۔ زمان و مکان کا تصور روایتی ہے۔ جوگی مہندر گر دیوتاؤں کے قرب کے سبب زمان و مکان پر بھی تصرف حاصل کر چکا ہے اُس کے نزدیک فاصلوں اور وقت کی ذرا بھر وقعت نہیں۔ تبھی تو وہ راجا جگت پرکاش کی پکار پر ہزاروں میلوں کا سفر یوں طے کرتا ہے کہ: ''ایک آنکھ کی جھپک میں وہاں آ پہنچتا ہے جہاں دونوں مہاراجوں میں لڑائی ہو رہی تھی۔(۱۵)'' تمام کردار تقدیر کے تابع ہیں مگر اِندر اور جوگی مہندر گر تقدیر گر نظر آتے ہیں جو نہ صرف راجاؤں کا نصیب چمکا دیتے ہیں بلکہ غریب رعایا کو امیر کر کے اگلے سات برسوں تک فارغ البالی کا سندیسہ بھی دے دیتے ہیں۔ اِس کائنات میں اودھے بھان اور اس کے ماں باپ کا ہرن بننا۔ بھبھوت کے ذریعے نظروں

سے اوجھل ہونا۔ راجا سورج بھان کے مردہ سپاہیوں کا زندہ ہونا۔ منہ میں گٹکے رکھ کر ہوا میں اُڑنا۔ بیک وقت ایک لشکر پر آفت اور دوسرے پر ہلکی نمی کی سکون پرور پھوار پڑنا اور سونے چاندی کی بارش وغیرہ جیسے مافوت الفطری عناصر بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ جو اُردو داستانوں کے روایتی تصورِ کائنات کے عین مطابق ہیں۔

الغرض ''کیتکی کی کہانی'' وہ مختصر داستان ہے جس کا خمیر داستان نگار نے ہندی تہذیب سے گوندھا ہے۔ ہندی مابعد الطبیعیاتی عناصر کی شمولیت سے اِس کا سامع اور قاری خود کو اس فضا میں سانس لیتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ اِس داستان کے مطالعے سے ہندی اوہام و نظریات سے بخوبی شناسائی ممکن ہے۔

حواشی:

(۱) وقار عظیم، سیّد، ہماری داستانیں (لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)، ص ۱۲۹۔

(۲) جامع اُردو انسائیکلوپیڈیا (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، حکومت ہند، ۲۰۰۳ء)، ص ۷۵ [جلد اوّل]۔

(۳) عبدالحق، مولوی، مقدمہ، کہانی رانی کیتکی اور کنور اودھے بان کی، مصنّف: اِنشاءاللہ خان انشاء (کراچی: انجمن ترقیٔ اُردو، ۱۹۵۵ء)، ص ب [باردوم]۔

(۴) ایضاً، ص ۲۔

(۵) گیان چند، اُردو کی نثری داستانیں (کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۶۹ء)، ص ۲۴۱ [باردوم]۔

(۶) رفیعہ سلطانہ، اُردو نثر کا آغاز و ارتقاء (کراچی: کریم سنٹر پبلشرز، ۱۹۸۷ء)، ص ۳۸۳۔

(۷) انتظار حسین، پیش لفظ، انشاء کی دو کہانیاں، از: انشاءاللہ خان انشاء (لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ستمبر ۲۰۰۸ء)، ص ۳۰ [باردوم]۔

(۸) اِس حصے میں انشاءاللہ خان انشاء نے حمد اور نعت کہی ہے۔ اِس کے علاوہ جہاں حضرت علیؓ اور اہلِ بیت سے عقیدت کا اظہار کیا ہے وہاں اہلِ بیت کی حمایت میں بطرزِ کنایہ دیگر صحابہ کرامؓ کے لیے نامناسب الفاظ بھی استعمال کیے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انشاء غالی شیعہ تھا۔ اُس کے الفاظ ملاحظہ ہوں: ''اِس سر جھکانے کے ساتھ ہی دِن رات جپتا ہوں اپنے اوس داتا کے بھیجے ہوئے پیارے (ﷺ) کو جس کے لیے یوں کہا ہے: ''جو تو نہ ہوتا تو میں کچھ نہ بناتا'' اور اوس کا چچیرا بھائیؓ جس کا بیاہ اوسی کے گھر میں ہوا اوس کی سرت مجھے لگی رہتی ہے۔ میں پھولا اپنے آپ میں نہیں سماتا اور جتنے اون کے لڑکے بالے ہیں، اونھی کے یہاں پر چاہ ہے اور کوئی ہو، کچھ میرے جی کو نہیں بھاتا۔ مجھے اِس گھرانے کے چُھٹ (سوا) کسی لے بھاگ، اوچک، چور، ٹھگ سے کیا پڑی۔ جیتے مرتے اونھیں سبھوں کا آسرا اور اون کے گھرانے کا رکھتا ہوں بتیسوں گھڑی۔'' (رانی کیتکی کی کہانی مرتبہ انتظار حسین، ص ۴۶)

(۹) انتظار حسین، پیش لفظ، انشاء کی دو کہانیاں، از: انشاءاللہ خان انشاء (لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ستمبر ۲۰۰۸ء)، ص ۲۸ [باردوم]۔

(۱۰) وقار عظیم، سیّد، محولہ بالا، ص ۱۶۲۔

(۱۱) انشاء، انشاءاللہ خان، انشاء کی دو کہانیاں، مرتبہ: انتظار حسین، ص ۳۷۔

(۱۲) ایضاً، ص ۸۱۔

(۱۳) انتظار حسین، پیش لفظ، انشاء کی دو کہانیاں، از: انشاءاللہ خان انشاء (لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ستمبر ۲۰۰۸ء)، ص ۲۹ [باردوم]۔

(۱۴) انشاء، انشاءاللہ خان، انشاء کی دو کہانیاں، مرتبہ: انتظار حسین، ص ۵۵۔
(۱۵) ایضاً، ص ۵۷۔

مآخذ:

انشاء، انشاءاللہ خان، انشاء کی دو کہانیاں، مرتبہ: انتظار حسین۔
حسین، انتظار، پیش لفظ، انشاء کی دو کہانیاں، از: انشاءاللہ خان انشاء، لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ستمبر ۲۰۰۸ء، [باردوم]۔
سلطانہ، رفیعہ، اُردو نثر کا آغاز و ارتقاء، کراچی: کریم سنٹر پبلشرز، ۱۹۸۷ء۔
عبدالحق، مولوی، مقدمہ، کہانی رانی کیتکی اور کنور اودھے بان کی، مصنّف: اِنشاءاللہ خان انشاء، کراچی: انجمن ترقیٔ اُردو، ۱۹۵۵ء] باردوم[۔
گیان چند، اُردو کی نثری داستانیں، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۶۹ء] باردوم[۔
وقار عظیم، سیّد، ہماری داستانیں، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء۔

حوالہ جاتی کُتب:

جامع اُردو انسائیکلوپیڈیا، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، حکومت ہند، ۲۰۰۳ء] جلد اوّل[۔